© rasailojaraid.com

مولانا قاری محمد طیب دیوبندی

فکر اسلامی کی تشکیل جدید

مقالۂ افتتاحیہ

کلمات حکمت

"فکر اسلامی کی تشکیل جدید" کے موضوع پر ہم اہل علم اور اصحاب فکر و نظر کے مقالات کا ایک سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ یہ مقالات دسمبر ۱۹۷۶ء کے ایک سیمینار میں پڑھے گئے تھے اس سیمینار کا اہتمام ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز (جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی) نے کیا تھا۔ اس کا افتتاح اس وقت کے صدر جمہوریہ ہند جناب فخرالدین علی احمد مرحوم نے کیا تھا اور صدارت کے فرائض مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی نے ادا کیے تھے۔

فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ ایک مدت سے دینی علمی حلقوں کا موضوع بحث ہے اور قدیم و جدید فکر کے حامل تمام علمائے وقت نے اس مسئلے کی طرف توجہ دلائی سرسید کو مسئلے کی اہمیت کا احساس تھا لیکن وہ اسلامی فکر کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کرنے کے بجائے وقت کے مسائل اور انسانی دماغ کی کاوشوں کے سانچے میں اسلامی فکر کو ڈھالنا چاہتے تھے یا انسانی دماغ کے تغیر پذیر اور ہر لحہ تبدیل ہونے والے فیصلوں پر اسلامی تعلیمات اور افکار حقہ کو منڈھنا چاہتے تھے۔ علامہ شبلی کے احساس میں چند مضامین میں نمایاں ہوا اور بعض مسائل تک محدود رہا مولانا ابوالکلام آزاد کے انداز فکر میں یہ احساس رچا بسا ہے، علامہ اقبال کے ہاں دعوت ہے، مسائل کا حل نہیں، وقت کے مسائل میں اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فکر کی رہنمائی کا احساس مولانا عبید اللہ سندھی کے بھی شدت کے ساتھ ملتا ہے لیکن حضرات مفکرین کے برعکس ان کی انقلابی روح صرف جمع و تدوین علوم و افکار اور محض علمی اجتہادات کی مشغولیتوں پر قانع نہیں ہو سکتی تھی، ان کے فکر کا شاہین بلند پرواز انقلاب فکر و عمل کے لئے نئی فضاؤں کی تلاش میں مصروف رہا۔ وقت کے تمام افکار و مسائل کی جامع کوئی کوشش اور تحریر نہ تھی اور یہ اہم مسئلہ ابھی تک قدامت پسندی یا تقشف اور تجدد یا بے روک دماغوں کی کاوشوں کا تختہ مشق بنا ہوا ہے۔

اس موضوع پر یہ پہلا مذاکرہ ہے جس میں فکر اسلامی اور عہد نو کے تقاضوں پر ہر جہت سے تفصیل اور جامعیت کے ساتھ اظہار خیال کیا گیا ہے اس سیمینار میں حصہ لینے والے جدید علوم و افکار کے آشنا ہیں جنھیں وقت کے مسائل میں اسلامی نقطہ نظر کی اہمیت کا اندازہ ہے اور قدیم علوم و معارف کے ماہر ہیں جنھیں عہد نو کے مسائل کی نزاکت کا پورا احساس ہے اور وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے ان مسائل میں ملک و قوم اور ملت کی رہنمائی نہ کی تو ہر مسئلہ اپنا حل خود تلاش کرے گا، وہ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی فکر و نظر کے تذبذب کا شکار ہوئے تو زمانہ اپنے سفر میں انھیں پیچھے چھوڑ دے گا۔ مذاکرے کے تمام ہی شرکاء قدیم و جدید مکاتب فکر کے منتخب اہل علم و نظر تھے، ان کے افکار میں گہرائی بھی ہے اور موضوعات و مباحث کو محیط بھی ہیں۔

اس سیمینار میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندی نے جو صدارتی تقریر فرمائی تھی وہ نہایت فکر انگیز تھی۔ اس میں حضرت قاری صاحب مدظلہ نے موضوع بحث کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے مذاکرے اور تبادلہ خیالات کے لئے معقول جہتیں واضح کر دی تھیں۔ ایک صاحب نظر جنھوں نے حضرت قاری صاحب کے اس خطبے کو پڑھا ہے ان کا خیال ہے کہ اس خطبے کے افکار میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی انقلابی روح کی تڑپ اور زمانہ شناسی کا جوہر بصیرت موجود ہے اور حضرت شیخ الہند کے واسطے سے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کے انقلاب انگیز افکار کا اس عہد میں تصرف الٰہی ہے جو حضرت حکیم الاسلام کے حکیمانہ فکر میں ہوا ہے۔ اس لئے ہم اس سلسلۂ مقالات کی اشاعت کا آغاز حضرت قاری صاحب کے خطبہ صدارت سے کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اس موضوع کے سلسلے میں چند بنیادی نقاط پیش کر دوں جنھیں فکر جدید کی تعمیر اٹھانے والے حضرات کو پیش نظر رکھنا میرے نزدیک ازبس ضروری ہے۔

پہلے بطور تمہید کے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ عالم بشریت میں فکر و تفکر ایک ایسی عظیم اصولی بلکہ اصل الاصول قوت ہے کہ انسان کی ساری معنوی قوتیں اسی کے نیچے آئی ہوئی ہیں اور اسی کی دست نگر ہیں جو فکر ایک قدم بھی کسی میدان میں آگے نہیں بڑھ سکتیں، حواس خمسہ ہوں یا عقل و دانش ذوق و وجدان ہو یا بصیرت و تفقہ حدس و تجربہ ہو یا جوہر قیافہ ان سب کا قائد اور محرک فکر ہی ہے پھر یہ فکر نہ صرف یہ کہ انسان کی تمام معنوی قوتوں کا سرچشمہ ہی ہے بلکہ خود انسان کی ایک ایسی امتیازی خصوصیت بھی ہے جس سے اس کی انسانیت پہچانی جاتی ہے، کیونکہ یہ قوت انسان کے دوسرے ابنائے جنس کو میسر نہیں، اس لئے اگر اس فکری قوت کو انسان کی ماہیت کا حقیقی معرف کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

انسان کی مشہور و معروف تعریف حیوان ناطق یا حیوان عاقل سے کی جاتی ہے لیکن غور کیا جائے تو س سے انسان کا کوئی امتیاز بخش تعارف نہیں ہوتا کہ اسے انسان کی حدِ تام یا جامع و مانع تعریف سمجھ لیا جائے، کیونکہ عقل کا تھوڑا بہت جوہر غیر انسان حتیٰ کہ حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے، ایک کتے کو بھی اگر یک جگہ ٹکڑا ڈال دیا جائے تو اگلے دن وہ پھر اسی جگہ آموجود ہوگا، گویا وہ قیاس کرتا ہے کہ جب آج اس جگہ ٹکڑا ملا ہے تو کل کو بھی مل سکتا ہے اور جب مل سکتا ہے تو پھر اس جگہ پہنچ جانا چاہیئے، یہ صغریٰ کبریٰ لانا آخر عقلی قیاس نہیں ہے تو اور کیا ہے، خواہ وہ تعبیری اور لفظی نہ ہو مگر ایک حقیقت تو ہے۔ نیز عرف ام میں بعض جانوروں کو چالاک اور ہوشیار کہا جاتا ہے جیسے لومڑی اور گدھے اور بھینس کو عام طور سے احمق ر پلید کہتے ہیں سعدی شیرازی نے بھی کہا تھا کہ

مسکین خر اگرچہ بے تمیز است   چون بار ہمی برد عزیز است

ر کسی نے بھینس کے بارے میں بھی کہا ہے کہ

جاموش بے وقوف و بے ہوش   چون شیر دہد تو چشم ازد پوش

اگر ان حیوانات میں عقل و شعور کی جنس ہی نہ ہوتی تو یہ نوعی تفاوت کی تقسیم صحیح نہ ہوتی جو ف عام میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے، اندریں صورت عاقلیت یا دریافت معقولات علی الاطلاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان کی خصوصیت قرار دے کر اس کی حدّ تام حیوان ناطق کو بتلایا جانا اور اس سے نوع انسانی کا تعارف کرایا جانا کوئی جامع ومانع قسم کا تعارف نہیں ہو سکتا، البتہ فکر وتدبر کے راستے سے حقائق کا تجربہ کر کے ان میں امتیاز قائم کرنا نئے نئے اکتشافات سے جزئیات پیدا کر لینا، جزئیات کو جمع کر کے ان سے کلیّات بنانا کلیّات سے جزئیات نکال لینا اور جزئیات کے عواقب ونتائج کو سمجھنا نتائج کے معیار سے عواقب اور انجام دنیا وآخرہ کو پیش نظر رکھنا نوعی خیر سگالی اور اس کی منظم تدبیریں اور اصلاح ومعاشرہ کے لئے سوچ بچار وغیرہ بلاشبہ انسانی نوع ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ سب اسی فکر کے کرشمے ہیں اس لئے انسانی حقیقت کی اگر کوئی جامع مانع تعریف ہو سکتی ہے تو وہ حیوان ناطق نہیں بلکہ حیوان متفکر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ فکر مندی، فکر نمائی اور فکر پیمائش اور بھی عمومی اور نوع بشری کے لئے اور نہ صرف اس حیات کے لئے بلکہ حیات مابعد الموت تک کے لئے صرف انسان ہی کی خصوصیت ہے جو اس کے دوسرے ابنائے جنس کو میسر نہیں اس لئے حیوان متفکر ہی کو انسان کی حدّ تام کہنا کچھ زیادہ قرین عقل نظر آتا ہے۔ پس یہ فکری قوت ہی انسان کی سب سے بڑی فعال قوت اور اس کی ساری معنوی قوتوں میں اولوالامر کی حیثیت رکھتی ہے اور یہی وہ طاقت ہے جس سے وہ کائنات میں متصرف اور ہر عنصری مخلوق سے اونچا سمجھا جاتا ہے، پھر یہی نہیں کہ انسان اس قوت کا ایک ظرف ہی ہے جس میں عقل ودانش ذوق ووجدان اور حدس وتجربہ وغیرہ جیسی قوتوں کی مانند فکر بھی انہی جیسی ایک قوت ہے اور دوسری قوتوں کی طرح وہ بھی کسی نہ کسی وقت اپنے محدود ومخصوص دائرے میں کام دی جاتی ہو، بلکہ فکر کی طاقت اس کی تمام معنوی طاقتوں پر حکمران متصرف اور ان کی روح ہے جس کے اشاروں پر یہ ساری قوتیں آمادۂ عمل رہتی ہیں۔ اگر کہیں نمائشی کر وفر کا بازار گرم ہو اور باجوں گاجوں اور نعروں کی آوازیں فضا میں گونج رہی ہوں، لیکن راہ گیر کسی دوسرے خیال میں مستغرق ہو، تو ان میں سے ایک چیز بھی نہ آنکھ کو نظر آئے گی نہ کان کوئی آواز سن پائے گا اور لاعلمی کے اظہار پر جب لوگ حیرت کریں گے تو وہ یہ کہے گا کہ میں تو فلاں بات کے فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔ مجھے ان مناظر اور آوازوں کی کچھ خبر نہیں اس سے واضح ہے کہ آنکھ، کان تو نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں بلکہ قوت خیال وفکر ہی دیکھتی سنتی ہے یہ آنکھ کی بینائی اور کان کی شنوائی فکر کے آلات و وسائل سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

یہی صورت عقل دور اندیشی کی بھی ہے کہ آدمی زیرک بھی ہو اور دانائے روزگار بھی سمجھا جاتا ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن وہ کسی نظریے کی سوچ میں محو ہو تو دوسرے کتنے ہی عقلی نظریات اس کے سامنے رکھ دیئے جائیں نہ وہ انھیں سمجھ سکے گا نہ ان کا شعور ہی پا سکے گا۔ کیونکہ اسکی قوت فکریہ کسی دوسرے میدان میں مصروف جولانی ہے اور فکر کو فرصت نہیں ہے کہ وہ اس نظریے پر غور کر سکے۔ اس طرح روحانی احوال و کیفیات کا ادراک بھی قوت فکریہ کے بغیر وجود پذیر نہیں ہو سکتا، اگر غیبی میدانوں میں فکر کی قوت متوجہ ہی نہ ہو یا کسی دوسرے روحانی مقام میں محو ہو تو دوسرے غیبی اور وجدانی لطیفے قلب پر بھی منکشف نہیں ہو سکیں گے، آخر مراقبات میں قوت فکر اور دھیان ہی کا تو استعمال ہوتا ہے احساس یا تصرف کے معنی ہی یہ ہیں کہ اللہ کو اس طرح حاضر ناظر تصور کر کے آدمی عبادت میں مصروف ہو گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے، سو یہ قوت فکر کا ہی استعمال نہیں اور کیا ہے۔؟

بہر حال یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ انسان کی معنویت کا رپر دار صرف یہ فکر ہی کی قوت ہے وہ نہ متوجہ ہو تو قوت باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ اور قوت عاملہ وغیرہ سب معطل رہ جاتی ہیں اس لئے وہ جب محسوسات کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو حواس خمسہ ہر کاروں کی طرح اس کے حکم پر دوڑ پڑتے ہیں، جب عقلیات کی طرف منعطف ہوتی ہے، تو عقل ایک خادم کی طرح اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے یہی قوت فکر جب غیبیات کی طرف چل نکلتی ہے تو وجدان و ذوق اس کے اشاروں پر کام کرتے ہیں۔

اس لئے قوت فکریہ نہ صرف یہ کہ انسان کی خصوصیت ہی ہے جو اس کی ماہیت کا سرنامہ ہے بلکہ اس کی سلوک ہی اندرونی قوتوں کی روح اور ان کے حق میں محرک اور قائد بھی ہے۔ قرآن حکیم نے اپنے کلام معجز نظام میں اسی حقیقت کو واشگاف فرما دیا ہے چنانچہ جو قومیں ان حسی طاقتوں، آنکھ کی بینائی اور کان کی شنوائی وغیرہ کے ذریعے معجزات انبیاء کو دیکھتی تھیں اور ان کے پاک کلام کو سنتی تھی مگر رضا و تسلیم کا نام نہیں لیتی تھیں تو قرآن حکیم نے اس کی نابینائی یا کانوں کی ناشنوائی قرار نہیں دی بلکہ دل کی نابینائی بتلاتی ہے جو درحقیقت اس قوت فکریہ کی نابینائی ہے ارشاد ہے:

فانها لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

(بات یہ ہے کہ) ان آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ سینوں میں دل اندھے ہیں (جو فکر اور غور سے عاری ہیں)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حواس کی روح اور مدار کار فکر قلب ہی ہے نہ کہ نظر چشم۔ فکر کی آنکھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہو تو حواس سب کے سب اندھے ہی رہ جاتے ہیں گو وہ اپنی طبعی آمادگی سے دید و شنید کا کوئی کام بھی انجام دیے جائیں اس لئے قرآن حکیم نے منکرین کی ظاہری دید و شنید کو مانتے ہوئے بھی اس کی حقیقی کارگردگی کا انکار کیا ہے۔ جب کہ اس کی غرض و غایت ہی اس پر مرتب نہیں ہوتی جو قوت فکر سے متعلق ہے کہ یہی فکری رُوح ان محسوسات کے پیکروں میں سے ان کی رُوح نکال کر لاتی ہے۔

ارشاد حق ہے:

ومنہم من یستمعون الیك افأنت تسمع الصم ولو کانوا لا یعقلون ومنہم من ینظر الیك افأنت تہدی العمی ولو کانوا لا یبصرون۔

اور (آپ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیجئے کہ) ان میں (گو) بعض ایسے بھی ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھے ہیں کیا آپ بہروں کو سنا کر ان کے ماننے کا انتظار کر رہے ہیں گو ان کو سمجھ میں بھی نہ ہو اور (اسی طرح) ان میں بعض ایسے ہیں کہ (ظاہراً) آپ کو (مع معجزات و کمالات) دیکھ رہے ہیں۔ تو پھر کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو۔

اس سے واضح ہے کہ سن کر کسی چیز کو ان سنی کر دینا اور دیکھ کر ان دیکھی بنا دینا قوت فکری ہی کے تعطل سے ہوتا ہے جس کو قرآن نے عقل و ابصار سے تعبیر کیا ہے۔ گویا جس مبصَر اور مسموع میں یہ بنیادی شعور شامل نہ ہو جس کا قوت مفکرہ کے غور و فکر سے تعلق ہے تو وہ مبصَر اور مسموع بلحاظ حقیقت غیر مسموع اور غیر مبصر کے حکم میں ہے، پھر اس طرح قرآن حکیم نے ایک دوسری جگہ ان منکروں کے حق میں فرمایا جو پیغمبر علیہ السلام اور ان کے پیغمبرانہ اقوال و افعال کو دیکھتے اور سنتے تھے اور طبعی انداز سے وہ بینا اور شنوا بھی تھے لیکن فکر قلبی نہ ہونے یا نہ برتنے سے ان کے یہ حواس، حیوانی حواس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے اور ان میں وہ فکری شعور نہ تھا جو حقیقی معنے میں دیکھنا اور سننا ہے جسے قرآن نے فقہ قلبی سے تعبیر کیا ہے: ارشاد حق ہے۔

لہم قلوب لا یفقہون بہا ولہم اعین لا یبصرون بہا ولہم آذان لا یسمعون بہا اولئك کالانعام بل ہم اضل اولئك ہم الغافلون۔

ان کے دل ایسے ہیں کہ جن سے وہ سمجھتے نہیں ان کی آنکھیں ایسی ہیں کہ جن سے وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ایسے ہیں کہ جن سے وہ سنتے نہیں، ایسے لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ رو یہی لوگ غافل ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے واضح ہے کہ قلب کا محض طبعی شعور اصل نہیں جو حیوانات میں بھی موجود ہے بلکہ فقہ قلب اصل ہے جس کا دوسرا نام قوت فکر ہے وہ نہ ہو تو حواس یا کام ہی نہ کرینگے یا کریں گے تو وہ ناقابل اعتبار ہوگا، جو غیر قابل التفات ہے، جس سے نمایاں ہے کہ قلبی نور اصل ہے جس کا نام فکر ہے نہ کہ مطلقاً قلبی شعور جو چوپایوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

اس طرح عقل کے بارے میں بھی قرآن حکیم نے یہی فیصلہ دیا ہے کہ اس کی کارگزاری کے قابل التفات ہونے کا معیار بھی یہی قوت فکر ہے، عقل محض نہیں، یعنی عقل طبیعی کا سوچ بچار کے باوجودیکہ قلب کا فقہی سوچ بچار اس کا منشا نہ ہو جس کا نام فکر ہے تو عقلی شعور بھی بے شعور اور ناقابل اعتناء ہو جاتا ہے چنانچہ ایسے قلوب کو جو بے فکرے ہوں قرآن نے عاقل نہیں کہا غافل کہا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

ومن آیاتہ یریکم البرق خوفا وطمعا وینزل من السماء ماء فیحیی بہ الارض بعد موتھا ان فی ذلك لآیات لقوم یعقلون۔	اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جس سے ڈر بھی ہوتا ہے اور امید بھی ہوتی ہے اور وہی آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اسی سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیتا ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے نمایاں ہے کہ برق وبخار اور بارش سے احیا غبار (زمین) وغیرہ باوجودیکہ آنکھوں سے نظر آنے والی چیزیں ہیں جنھیں سب دیکھتے ہیں، حتیٰ کہ چرند و پرند بھی، اور ان سے اس دنیوی زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ خوف وطمع کا اثر بھی لیتے ہیں لیکن فرمایا یہی گیا ہے کہ ان حوادث میں قدرت کی جو نشانیاں پنہاں ہیں اور ان ہی کی پہچان کرانا مقصود بھی ہے وہ صرف عقل لڑانے والوں ہی کے لئے ہیں آنکھ لڑانے والوں کے لئے نہیں اور عقل لڑانے کا نام ہی فکر کا استعمال ہے جو عقل کو کام پر لگاتا ہے۔ بے فکری اور بے توجہی سے عقل تگ و تاز بھی عبث اور بے نتیجہ رہ جاتی ہے بہر حال حس ہو یا عقل، ذوق ہو یا وجدان بلا فکر کے نابینا اور بے نگاہ سمجھے گئے ہیں جس سے فکر کا بلند مقام کھل کر سامنے آجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے جگہ جگہ مختلف دائروں میں انسان کو فکر و تدبر کی دعوت دی ہے کہیں غور و فکر کے لئے انفسی آیات پیش کی ہیں کہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آفاقی آیات، کہیں شرعی اور علمی آیات رکھی ہیں، اور کہیں وجدانی اور لدنی آیات اور ان میں تدبر اور غور و فکر کا مطالبہ کیا ہے انفسی آیات کی طرف رہنمائی کے لئے فرمایا۔

وفی انفسکم افلا تبصرون؟

تمھارے اندر (خود دلائل معرفت) موجود ہیں کیا تم غور نہیں کروگے؟

کہیں آفاقی آیات پیش کیں جیسے

اولم تنظروا فی ملکوت السموات والارض۔

کیا تم آسمانوں اور زمین کے حقائق میں نظر (و فکر) نہیں کرتے۔

کہیں ان دونوں نوعوں کو جمع کرکے فرمایا۔

سنریہم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسہم حتی یتبین لہم انہ الحق

ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھادیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے۔

کہیں شرعی آیات پیش کیں اور قرآن حکیم کو غور و تدبر کے لئے پیش کیا۔

افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔

کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔

کہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی حیات طیبہ کی شانوں اور پاکیزہ سیرت و کردار میں غور کرنے کی طرف توجہ دلائی تاکہ اس سیرت پاک کو دیکھ کر آپ کی دعوت کی صداقت دلوں میں آجائے اور لوگ اسے ماننے کے لئے تیار ہو جائیں فرمایا۔

قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ ان ھو الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔

آپ فرمادیں کہ اے پیغمبر کہ میں تمھیں ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم دو دو اور ایک فرادیٰ اٹھو اور پھر فکر کرو کہ کیا واقعی تمھارے ان ساتھی (پیغمبر) میں کوئی دیوانگی یا جنون ہے؟ وہ تو اس کے سوا کچھ اور نہیں ہیں کہ تمہیں آخرۃ کے شدید عذاب سے ڈرانے والے ہیں جو تمھارے سامنے آنے والا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اولم یتفکروا مابصاحبکم من جنۃ ان ھو الا نذیر مبین — کیا یہ فکر سے کام نہیں لیتے اپنی ساتھی (پیغمبر) کے بارے میں کہ کیا ان میں جنون ہے؟ وہ نہیں ہیں مگر ایک کھلے ہوئے ڈرانے والے (آخرۃ کے عذاب سے کیا یہ کسی کا مجنون ہے؟)

یہی صورت وجدانیات کی بھی ہے کہ حقائق غیبیہ کے اکتشاف میں بھی یہی قلبی فکر کام کرتا ہے جس کو "لُب" کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے اور اس سے منکشف شدہ علوم و معارف کو حکمت سے تعبیر کیا جاتا ہے قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا۔

ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا وما یذکر الا اولوا الالباب۔ — جسے حکمت دے دی گئی اسے خیر دے دی گئی، اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو گہری عقل والے ہوتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ مطلقا عقل ایک طبعی غریزہ اور طبعی مادہ ہے جیسے بینائی اور شنوائی وغیرہ، مگر وہ صورت عقل ہے جو مادۂ شعور ہے اور زیادہ سے زیادہ قیاس کے راستے سے کلیات کا ادراک کر لیتا ہے لیکن لُبّ اور لباب حقیقت عقل ہے جس سے حقائق کونیہ اور حقائق شرعیہ منکشف ہوتی ہے، اسی کا نام فکر ہے یہ حکمت جسے خیر کثیر کہا گیا ہے محض عقل طبعی سے برآمد نہیں ہوتی بلکہ عقل عرفانی سے منکشف ہوتی ہے جسے لُب کہا جاتا ہے۔

بہر حال قرآن حکیم نے اس خاص قوت کو جس کا تعلق قوانین الٰہی، معرفت خداوندی، حقائق نبوت اور اس کے الوان کے انکشاف سے ہے جسے صبغۃ اللہ کہا گیا اسی کو کہیں فقہ قلبی سے کہیں لب عرفانی سے، کہیں نظر (باطن) سے، کہیں بصیرت سے، اور کہیں "انصباغ من اللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے جو انسان کی ساری قوتوں حواس، عقل وجدان اور حدس و تجربے کا کام میں لاتا ہے اور یہ صرف انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

بہر حال قرآن حکیم نے فکر کو انسان کا بنیادی جوہر قرار دے کر اُس کا مصرف الفس و آفاق تشریح و تکوین اور کمالات ذات وصفات نبوی اور معرفت الٰہی کو بتلایا اور جگہ جگہ اسی کی دعوت دی اور ظاہر ہے کہ فکر و تدبر چشم بینا اور گوش وشنوا کا کام نہیں بلکہ قلب متفکر ہی کا کام ہے اور فکر ہی جب ان اعضا حواس وغیرہ کا امام بنتا ہے تو وہ اس کی اقتدا میں اپنا اپنا کام انجام دیتے ہیں اور پھر فکر ان میں سے اصولی، کلی اور علمی مقاصد تک پہنچ کر معرفت حق کے مقام کو پہنچ جاتا ہے خلاصہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ کہ فکر ہی انسان کی امتیازی صفت ہے فکر ہی انسانی حقیقت کی فصل ممیز ہے فکر ہی سے علم و معرفت کے دروازے کھلتے ہیں فکر ہی انسان کی ظاہری و باطنی قوتوں کا امام اور سربراہ ہے، اگر فکر اسلام میں مطلوب نہ ہوتا تو اجتہاد کا دروازہ کلیتہً مسدود ہو جاتا اور شرائع فرعیہ امّت کے سامنے نہ آسکتیں یہ بحث الگ ہے کہ کس درجہ کا اجتہاد باقی ہے اور کس درجہ کا ختم ہو چکا ہے مگر اجتہاد کی جنس بہر حال امت میں قائم رکھی گئی ہے جو برابر قائم رہے گی اس لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی نے اگر اس بنیادی اصول بلکہ اصل الاصول کی طرف علمی حلقوں کی توجہ دلائی اور دنیا کے بدلتے ہوئے حالات میں فکر اسلامی کی تشکیل جدید کی دعوت دی اور ارباب علم و فضل کو انسانی اور ربانی حقائق کے انکشافات کی طرف متوجہ کیا تو نہ صرف یہ کہ اس نے ایک بڑا بنیادی مسئلہ اٹھایا ہے بلکہ خود جامعہ کی تاریخ کو بھی دہرایا ہے کیونکہ جامعہ کی بنیاد سیدنا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ نے رکھی تھی جس کا نصب العین ہی قدیم و جدید تعلیم کو یکجا کر کے ملت کی مختلف علمی و عملی صلاحیتوں کو ایک مرکز پر جمع کر دینا تھا تاکہ فکر واحد کے راستے سے قوم کے ان دو گروہوں قدیم و جدید کی دوئی کو ختم کر کے انھیں افکار و خیالات اور عقائد و مقاصد کی وحدت سے قوم واحد بنا دیا جائے اس لئے بلاشبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ اس اقدام میں تبریک و تحسین کی مستحق ہے لیکن اس نئی نہضت اور فکر اسلامی کی تشکیل نو کے جذبات سامنے آنے پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس فکر کا علمی آغاز کس مرکزی نقطہ سے کیا جائے جس میں یہ تمام مذکورہ انواع جن کے لئے قرآن حکیم نے فکر کی دعوت دی ہے سمٹ کر جمع ہو جائیں اور کام بجائے پھیلنے کے سمٹ کر اس بنیادی نقطہ سے شروع ہو۔

۱ اسی لئے فکر اسلامی کی تشکیل جدید کے سلسلے میں سب سے پہلا قدم جو ہمیں اٹھانا چاہیئے وہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے فکر کے لئے سب سے پہلے فکر کا ایک نشانہ اور ہدف متعین کر لینا چاہیئے جس پر ہم اپنے فکر کی توانائیاں صرف کریں، اور شاخ در شاخ مسائل اس نقطے سے جوڑتے چلے جائیں جس سے نہ صرف راستہ ہی سامنے آجائے گا تشتت افزا اوہام و خیالات بھی خود بخود اس سے دفع ہوتے چلے جائیں گے اور ہمارا قدم بجائے منفی ہونے کے مثبت انداز سے آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ سو ہمارے نزدیک وہ جامع نقطہ ایک ہی ہے جس کا نام منہاج نبوۃ ہے۔ جس پر فکر کو مرکوز کر دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس منہاج ہی کی شمع ہاتھ میں لے کر یہ قوم آگے بڑھی ہے اور ظلمتوں میں اجالا پھیلتا چلا گیا ہے پس اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منہاج سے آج بھی آگے بڑھ کر سکتی ہے۔ اس منہاج کو سامنے رکھ کر ہمارے سامنے وہ مزاج آجائے گا جو اس امت میں نبی اُمت نے پیدا فرمایا ہے اور یہ واضح ہوجائے گا کہ خود اسلام کی تشکیل کا آغاز کس نوعیت سے ہوا کہ ہم اس فکر جدید کا آغاز بھی اس نوعیت سے کریں نیز یہ بھی سامنے آجائے گا کہ اس نے ابتدائی مراحل سے گذر کر اور آخر کار اپنی انتہائی منزل پر پہنچ کر بحیثیت مجموعی اس امت کا مزاج کیسا بنایا؟ اور اسے کس ذوق پر ڈالا۔ غور کیا جائے تو اس منہاج نبوۃ نے اصولی طور پر ہمیں دین کے بارے میں کمال اعتدال اور توسط کا راستہ دکھایا ہے۔ نہ تو اس نے ہمیں رہبانیت کے راستے پر ڈالا کہ ہم عبادت اور دینداری کے نام پر دنیا کو کلیتہً ترک کر کے زاویہ نشین ہوجائیں، شہری آبادیوں، تمدنی معاملات اور مدنیت کے سارے تقاضوں بلکہ خود اپنے سارے طبعی جذبات و میلانات کو بھی چھوڑ چھاڑ کر پہاڑوں اور غاروں میں جا بیٹھیں کہ نہ گھر ہو نہ در، نہ معاشرہ ہو نہ معیشت، نہ انسانی روابط ہوں نہ قومی تعلقات، نہ موانست باہمی ہو نہ اجتماعیت، کہ یہ نہ اسلام کا مزاج ہے نہ اس کا مطالبہ، اور نہ ہی فطرۃ کا تقاضا اس لئے اسلام نے اس کا نام رہبانیت رکھ کر اس کی برملا نفی کی ہے کہ۔

لا رھبانیۃ فی الاسلام۔ اسلام میں رہبانیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اور نہ ہی ہمیں بہیمیت کے راستے پر ڈالا ہے کہ ہم مدنیت کے نام پر عبادت الٰہی اور طاعت نبوی سے بیگانہ ہوکر کلیتہً نظام دنیا سنوارنے، جاہ و مال کے خزانے بٹورنے میں لگ جائیں اور راحت طلبی اور عیش کوشی میں غرق ہوجائیں۔ اور ہماری زندگی کا نصب العین ہی ہوس رانی، حظ اندوزی اور ہوائے نفس کی غلامی کے سوا دوسرا نہ ہو۔ نہ عقائد رہیں نہ عبادات، نہ فرائض رہیں نہ سُنن نہ واجبات ہوں نہ ان کی لگن، نہ قومی تربیت کا داعیہ رہے نہ صلہ رحمی اور خیر جوئی اور نہ اولاد و اقارب کا جذبہ، بلکہ رات دن ہوائے نفسی کی پیروی، شبانہ روز لہو و لعب عیش و طرب، آرائش و آسائش اور نمائش و زیبائش مالی تکاثر اور جاہی تفاخر ہی زندگی کا مشغلہ بن کر رہ جائے، سو اسے بھی اسلام نے نمائشی زندگی متاع اور غفلت یا بالفاظ مختصر بہیمیت کہہ کر اسے امت کے قومی مزاج سے خارج کر دیا ہے فرمایا:

وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔ اور دنیاوی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف دھوکے کا سودا ہے

یعلمون ظاھرا من الحیوۃ الدنیا یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ

وھم عن الاخرۃ ھم غافلون۔ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وھم یاکلو ویتمتعو یلھھم الامل فسوف یعلمون ۔ آپ ان کو ان کے حال پر رہنے دیجئے کہ وہ کھالیں اور چین اڑالیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں ان کو ابھی حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے ۔

بلکہ اس افراط و تفریط سے الگ کر کے دنیا کو ترک کرانے کے بجائے اس کی لگن کو ترک کرایا ہے اور دین کو اصل رکھنے کے ساتھ اس میں غلو اور مبالغے سے روکا ہے ۔ یعنی ایک ایسا جامع فکر دیا ہے جس میں دنیا کے تمام شعبوں کو زیر استعمال رکھ کر انہی میں سے آخرت پیدا کی ہے چنانچہ دنیا کو کھیتی بتلایا اور آخرت کو اس کا پھل ۔

الدنیا مزرعۃ الاخرۃ ۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے ۔

حاصل یہ نکلا کہ اگر پھل ضروری ہے تو کھیتی بھی اتنی ہی ضروری ہے اس لئے اسلام کے ہر حکم میں جہاں اجر آخرت ہے وہیں حظ دنیا بھی شامل ہے ۔ مثلاً مسواک میں ثواب آخرۃ ہے تو وہیں منہ کی خوشبو بھی پیش نظر ہے ۔ اگر طیبات رزق میں بہ نیت حسن عبادت کی قوت رکھی گئی ہے تو وہیں کام و دہن کے ذائقے سے اجتناب نہیں بتلایا گیا ہے اگر لباس میں بہ نیت آخرۃ و عزت حیا و ستر عورت کا تحفظ اصل ہے تو وہیں حس دنیوی اور وقار بھی ملحوظ ہے ، اگر ازار کو ٹخنوں سے نیچا اور زمین سے گھسٹتا ہوا رکھنے کی ممانعت سے کبر و نخوت اور جاہ پسندی کے تخیل سے بچایا ہے تو وہیں لباس کو آلودگی اور گندگی سے پاک اور صاف رکھنے کی صورت بھی اختیار کی گئی ہے ، جو دنیوی مفاد ہے ، اگر تخت شاہی کا اصل مقصد عدل کے ساتھ تحفظ ملک ، خدمت خلق اور قومی تربیت بجواب دہی آخرۃ اصل ہے تو وہیں اسے دنیوی وقار و عزت اور سیادت و قیادت کے حظوظ سے بھی بھرپور کیا گیا ہے ۔ بہر حال آخرت کی سچی طلب کے ساتھ دنیا کا کسب و اکتساب بھی لازمی رکھا گیا ہے صاحب نے اس ذوق کو کس خوبی سے ادا کرتے ہوئے کہا ہے کہ

فکر دنیا کن و اندیشۂ عقبیٰ مگذار تا بعقبیٰ نہ رسی دامن دنیا مگذار

غرض منہاج نبوت نے رہبانیت اور بہیمیت کے درمیان معتدل مزاج پر اس اُمّت کو ڈھالا ہے کہ جس میں طبعی جذبات بھی پامال نہ ہوں بلکہ ٹھکانے لگ جائیں اور عقلی مقاصد کی تکمیل میں بھی فرق نہ پڑے اور وہ بروئے کار آجائیں اس لئے اس منہاج کے عناصر ترکیبی تہذیب نفس ، تدبیر منزل ، سیاستہ مدن ، تسخیر اقالیم ، تعظیم امر اللہ ، شفقت علی خلق اللہ ، نظام اجتماعیت ، جماعتی تنظیم و مرکزیت اخلاق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وایثار کی منظم تربیت، نظام عبادت، نظام امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اس کے ساتھ فکر آخرۃ اور محاسبہ اخروی کا استحضار قرار پائے اور پوری قوم کو اسی رنگ سے رنگا گیا ہے تاکہ یہ قوم جامع دین ودنیا بن کر بجائے اس کے کہ دنیا کی اقوام کی جامد مقلد اور مقتدی بنے اسے خود دار بنا کر امام اقوام اور داعیٔ حق وصداقت کی حیثیت دی گئی ہے۔

جس طرح احمد مختار ہیں نبیوں میں امام
اُن کی اُمت بھی ہے دُنیا میں امامِ اقوام

پس آج جس چیز کی ضرورت ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس منہاج نبوۃ کو سمجھ کر ایک نئی ترتیب اور نئے رنگِ استدلال سے آج کی زبان اور اسلوب بیان سے مرتب کیا جائے کہ حقیقی معنی میں اسلامی فکر کی یہی تشکیل جدید ہوگی، ورنہ اس منہاج اور اس کے متوارث ذوق سے ذرا بھی ہٹ کر تشکیل ہوگئی تو وہ تشکیل نہ ہوگی بلکہ تبدیل ہوجائے گی جو قلب موضوع ہوگا، اس لئے تشکیل جدید کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ ہے کہ مسائل ہمارے قدیم ہوں اور دلائل جدید، تاکہ یہ نئی تشکیل قائم کرکے ہم خلافتِ الٰہی اور نیابت نبوی کا حق ادا کرسکیں۔ فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا یہ پہلا قدم ہے یا مرکزی نقطہ ہے جس سے ہمیں کام کا آغاز کرنا ہے، اور اسی نقطہ پر اپنی تمام توانائیاں صرف کرنی ہیں۔ اس تشکیل جدید کے سلسلے میں دوسرا قدم وہ اصول اور قواعد کلیہ اور ضوابط ہیں جن کے نیچے منہاج نبوۃ کے تمام عقائد واحکام اخلاق وعبادات اور معاملات واجتماعیات وغیرہ آتے ہیں، تاکہ ہماری تشکیل جدید کا سرچشمہ وہی اصول ہوں جن سے مسائل کی تشکیل قدیم عمل میں آئی تھی اور اس طرح قدیم وجدید تشکیل میں کوئی تفاوت یا بعد اور بیگانگی رونما ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ اصول کلیہ سے ہٹ کر یا انھیں بدل کر یہ تشکیل اسلامی فکر کی تشکیل نہ بن سکے گی اگر ایک شخص سائنس کے فکر کو مرتب یا حل کرنے کے لئے فن طب کے اصول سے کام لینے لگے جن کا سائنس کے اصول مسلمہ اور علوم متعارفہ سے کوئی تعلق نہ ہو، یا منطق وفلسفہ کے فکر کی تشکیل کے لئے صرف ونحو کے اصول سے کام لینے لگے تو وہ کبھی اس کی تشکیل میں کامیاب نہ ہوسکے گا، اس سے سب سے پہلے اسلامی فکر کی تدوین وترتیب میں اسلامی فکر کے اساسی اصول ہی کو سامنے رکھنا پڑے گا تاکہ ہماری تشکیل سے وہ ذوق فوت نہ ہونے پائے جو ان اصول میں پیوست کیا گیا ہے اور انہی سے شریعت کے قواعد ومقاصد تک پہنچا ہوا ہے یہ اصول وقواعد ہی درحقیقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منہاج نبوۃ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں جس کا اثر پورے قانون شریعت میں پھیلا ہوا ہو، اگر تشکیل جدید میں یہ قواعد وضوابط قائم نہ رہیں تو وہ اسلامی فکر کی تشکیل نہ ہوگی صرف دماغی فکر کی تشکیل بن جائے گی۔ البتہ ان قواعد کلیہ میں جو ضوابط عبادات اور عقائد کے بارے میں ہیں ان کی عملی جزئیات بھی شریعت نے خود متعین کردی ہیں، اس لئے ان میں تغیر وتبدل یا کسی جدید تشکیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا البتہ معاملاتی معاشرتی اور سیاسی واجتماعی امور میں چونکہ زمانے کے تغیرات سے نقشے ادلتے بدلتے رہتے ہیں اس لئے شریعت نے ان کے بارے میں کلیات زیادہ بیان فرمائی ہیں۔ اور ان کی جزئیات کی تشخیص کو وقت کے تقاضوں پر چھوڑ دیا ہے جس میں اصول وقواعد کے تحت توسعات ہوتے رہتے ہیں اور ہوتے رہیں گے، البتہ ایسے تغیرات کو چونکہ قواعد کلیہ کے تحت رکھا گیا ہے اس لئے ان میں بہر حال فنی استخراج کی ضرورت پڑے گی جسے مبصر علما کی بصیرت ہی حاصل کرسکے گی، جیسا کہ قرون ماضیہ میں کرتی رہی ہے بس ایک مسلم کو اجتہادی اجازت ہے ایجادی نہیں ہے کہ وہ اتباع کے دائرے سے باہر نہ نکل سکے۔ خواہ وہ اتباع جزئیات کا ہو جب کہ وہ منصوص ہوں، یا قواعد کلیہ کا ہو جب کہ اجتہادی ہوں جزئیات میں درحقیقت اتباع ان اصول اجتہاد ہی کا ہوتا ہے جس کے ذریعہ یہ جزئیات باہر آتی ہیں اس لئے اس تشکیل جدید کے موقع پر یہ کلیات وجزئیات سامنے رکھنی ناگزیر ہوں گی اور انہی کے دائرے میں رہ کر یہ تشکیل جدید وترتیب عمل آسکے گی، نیز اگر اس تشکیل کا مقصد قومی تربیت ہے کہ وہ اس منہاج پر ڈھالے جائیں تو یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ تربیت اصول اور کلیات سے نہیں ہوسکتی جیسے علاج اصول طب اور معرفت خواص ادویہ سے نہیں ہوسکتا جب تک کہ مزاج کے جزوی احوال کو پہچان کر جزوی طور پر نسخہ نہ تجویز کیا جائے یہی صورت شرعیات کی بھی ہے کہ اگر قومی معالجہ اور قومی اصلاح پیش نظر ہو تو وہ محض اصول کلیہ سے نہیں ہوسکتی بلکہ جزئیات عمل ہی سے ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ جن اصول کا عمل سے کوئی تعلق نہ ہو وہ محض ذہن کی زینت ہوں عملی زندگی سے انھیں کوئی تعلق نہ ہو اور کوئی عملی پروگرام بھی ان کے پیچھے نہ ہو تو شریعت نے انھیں پسند نہیں کیا کہ اُن میں زیادہ غور وخوض کیا جائے، مثلاً چاند کے گھٹنے بڑھنے کے بارے میں لوگوں نے سوال کیا تو قرآن نے اسلوب حکیم پر جواب دیا کہ اس کے منافع سے فائدہ اٹھاؤ اور حقائق کے پیچھے مت پڑو۔

یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی — آپ سے چاندوں کے حالات کی تحقیقات کرتے ہیں آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مواقیت للناس الحج ۔ فرما دیجئے کہ وہ آلہ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے لئے اور حج کیلئے۔

روح کے بارے میں سوال کیا تو فرما دیا گیا کہ تمھارا علم اتنا نہیں ہے کہ ان حقائق کو پہچان سکو تو کیوں اس ناقابل تحمل بات کے پیچھے پڑتے ہو۔ یہ حقائق یا خود ہی عملی ریاضت سے منکشف ہو جائیں گی یا اگر نہ ہوں تو قیامت میں تم سے ان کا کوئی سوال نہ ہو گا کہ نجات ان پر موقوف نہیں تھی۔

قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۔ آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

یا اس طرح قیامت کے وقت کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرما دیا گیا کہ تمھیں اس سے کیا تعلق تمھاری ترقی اور سعادت اس کے مقررہ وقت کے علم پر موقوف نہیں، صرف اس کے آنے کے یقین اور عقیدے پر موقوف ہے اور اس میں یہ جزوی تفصیلات شامل نہیں۔

یسئلونك عن الساعۃ ایان مرسٰها فیم انت من ذکراها الی ربك منتهاها ۔ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہو گا سو اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق اس کے علم تعین) کا مدار صرف آپ کے رب کی طرف ہے۔

بہرحال قرآنی رہنمائی سے علم وہی مطلوب ہے اور قابل تحصیل ہے جس سے عملی زندگی میں کوئی سدھار پیدا ہوتا ہو، اور سعادۃ دارین حاصل ہوتی ہو۔ بہرحال عملی زندگی محض اصول سے نہیں بنتی بلکہ جزئیات عمل ہی سے بنتی ہے جس کے بروقت تمرین اور ٹریننگ دی جائے اس لئے کسی مربی نفس یعنی ربانی کی تفسیر ابن عباس نے الذی یربی الناس بصغار العلم ثم بکبارها سے کی ہے یعنی ربانی وہ ہے جو ابتداءً چھوٹی چھوٹی جزئیات سے لوگوں کی تربیت کرے اس لئے قرآن حکیم نے تذکیر و موضوعات اور امر بالمعروف کے نظام کو اجتماعی طور پر مستحکم کیا اور اسے تمکین فی الارض (حکومت وسلطنت) کی بنیادی غرض وغایت ٹھیرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس منہاج پر ہم اپنی فکر کی توانائی صرف کریں وہ جہاں اصولی ہو وہیں وہ جزئیات عمل سے بھی بھرپور ہوتا کہ علم و عمل دونوں جمع ہوسکیں، کہ اس کے بغیر ہمارا فکر اور اس کی تشکیل پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔

حاصل یہ ہے کہ فکر اسلامی کی ترتیب کے وقت جیسے اسلامی بنیادوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے ایسے ہی فقہ اور فقہی جزئیات کا سامنے رکھنا بھی ضروری ہے البتہ وقت کے مناسب اور آج کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دور کی نفسیات کو سامنے رکھ کر ان جزئیات میں ترجیح وانتخاب جدا بات ہے۔ وہ اہل علم کا کام ہے مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ اصول کا تعارف اور ان کی جامعیت اور وسعت نیز ان کے اندرونی مضمرات کی وضاحت ان کی جزئیات کے بغیر ممکن نہیں، نظری اصول کتنے بھی معقول اور دل پذیر ہوں لیکن جب تک ان کی عملی مثالیں سامنے نہ ہوں ان کا حقیقی مفہوم واشگاف نہیں ہو سکتا، ان جزئیات عمل ہی سے اسلام کی مجموعی اور صحیح صورت وشکل سامنے آسکتی ہے، اس لئے فکر اسلامی کی تشکیل جدید میں جہاں ایک طرف مجموعۂ دین کے اساسی اصول اور ان کے نیچے ہر ہر باب کے قواعد کلیہ یا ضوابط تفقہ ناگزیر ہیں، وہیں دوسری طرف ان کے نیچے کی عملی جزئیات کا سامنے ہونا بھی لازمی ہے ورنہ اصول کی وسعت وجامعیت کا کوئی اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اس سے بھی ان حوادث وواقعات پر بھی روشنی پڑ سکتی ہے جو ان جزئیات کا استخراج کا باعث بنے جب کہ فقہاء امت نے قواعد شرعیہ سامنے رکھ کر ان کے بعید محتملات کے احکام بھی ان قواعد سے نکالے، ظاہر ہے کہ ہر دور کے حوادث میں نوعی طور پر یکسانیت ہوتی ہے گو حادثوں کی شکلیں حسب زمان ومکان کچھ جدا جدا بھی ہوں اس سے وہی جزئیات آج کے حوادث میں بھی بیکار ثابت نہیں ہو سکتیں۔ اور کچھ نہیں تو آج کی جزئیات کو کم از کم ان پر قیاس تو ضروری ہی کیا جا سکتا ہے بلکہ بہت ممکن ہے کہ فقہیات میں ایسی جزئیات بکثرت مل جائیں جو آج کے دور میں بھی سابق دور کی طرح کار آمد ثابت ہوں، اور حالات کا پورا مقابلہ کر سکیں، ضرورت اگر ہوگی تو باب وار تلاش وجستجو کی ہوگی بلکہ یہ جزئیات چونکہ فقیہانہ ذہنوں سے نکلی ہوئی ہیں اس لئے یہ نسبت ہماری استخراج کردہ جزئیات کے منہاج نبوۃ سے زیادہ قریب ہوں گی اس لئے بجائے اس کے ہم از سر نو قواعد کلیہ سے جزئیات کا استنباط کرنے کی مشقت میں پڑیں یہ زیادہ سہل ہوگا کہ استخراج شدہ جزئیات کی تلاش اور ترتیب میں وہ محنت ومشقت استعمال کریں، پھر بھی اگر کسی مفتی کو نئے استخراج ہی کی ضرورت داعی ہو تو یہ جزئیات سابقہ ہی کا راستہ بہتر طریق پر ہموار کر سکیں گی بلکہ عین ممکن ہے کہ جب یہ فقہی جزئیات کا ذخیرہ اصول سے جڑا ہوا سامنے آئے تو شاید ہمیں کسی نئے جزیئے کے استخراج کی ضرورت ہی نہ پیش آئے کیونکہ فقہاء امت نے اصول تفقہ اور قواعد شرعیہ کی روشنی میں بعید محتملات تک کے احکام مستنبط کرکے جمع کر دیے ہیں جس کے مجموعے سے ایک مستقل فن بنام فقہ تیار ہو گیا، جس میں ہر شعبۂ زندگی کی بے شمار جزئیات موجود اس لئے فکر کی تشکیل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قواعد کلیہ کے ساتھ ان جزئیات کو سامنے رکھنا از بس ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے کسی ایک چھوٹے سے چھوٹے دینی جزیہ کو بھی کسی مرعوبیت یا اقوام کے طعن واستہزا کی وجہ سے کبھی ترک کو ناگوارہ نہیں کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایک بار بغداد (عراق) میں کھانا تناول فرما رہے تھے ایک فارسی غلام کھانا کھلا رہا تھا کہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا، حضرت سلمانؓ نے اسے فوراً اٹھا کر اس کی گرد جھاڑی، صاف کیا اور تناول فرما لیا، غلام نے عرض کیا کہ یہ ملک متمدنوں، دولت مندوں اور سیر چشموں کا ہے وہ حرکت کو بڑی حقارت کی نظر سے دیکھیں گے، فرمایا " أترك سنة حبيبي لهولاء الحمقاء؟ " (کیا میں اپنے حبیب پاک کی سنت ان احمقوں کی وجہ سے ترک کر دوں؟) غور کیا جائے کہ ایک طرف تو دین کے ایک ایک جزیہ کی یہ پابندی اور دوسری طرف ملکوں کی فتوحات، خلافت کی توسیع اور تسخیر اقالیم اور اس کے ساتھ متکبروں کا تمسخر و طعن، لیکن جو نشہ ان پاک ارواح میں فیضان نبوت سے پیوست تھا وہ اس قسم کے عوارض سے کبھی ٹس سے مس نہ ہوتا تھا، آخر صحابہؓ سے زیادہ کون سنن دین کی جزوی جزوی پابندی میں پیش قدم تھا، مگر ان سے زیادہ پھر کون اسلامی فتوحات اور توسیع فتوحات میں تیز قدم تھا، جس سے ایک طرف تو یہ واضح ہے کہ وقتی احوال وحوادث کے پیش نظر توسع وہمہ گیری کے معنی ذہنی ڈھیلے پن کے نہیں کہ قوموں کی رضا جوئی یا مجبوری یا آج کل کی اصلاحی روا داری کے تحت اسلامی جزئیات میں مداہنت کی جا سکے، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اسلام نے اصول اس درجہ وسیع اور لچک دار رکھے ہیں کہ حوادث ان سے باہر نہیں جا سکتے جس کے معنی یہ ہیں کہ دین اپنے خاص مزاج اور اساسی پالیسی کے تحت نہ حوادث میں کبھی تہی دامن ثابت ہوا اور نہ اس نے کہیں اپنے اندر خلا محسوس کر کے سپر ڈالی، دوسری یہ بات بھی اسی واقعے سے اور اس جیسے ہزاروں سے نمایاں ہے کہ اسلام روکھی اور سطحی قسم کا کوئی قانون نہیں بلکہ دین ہے جس کی اساس کا بنیادی عنصر عشق ومحبت ہے، جو ذات حق، ذات نبوی اور ذوات صحابہ سے وابستہ ہے اس لئے ایک سچا عاشق اپنے محبوب کی کسی ادا کو ایک آن کے لئے بھی نظر انداز نہیں کر سکتا جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے یہاں "حبیبی" کا لفظ استعمال فرما کر اس محبت کی طرف اشارہ فرما دیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی جزیئے کے ترک کرنے میں کوئی قانونی گنجائش بھی نکلتی ہو تو قانون عشق میں ایسی گنجائش کا سوال پیدا ہوتا، اس لئے اسلامی مزاج میں یہ عشقی کیفیات بھی اسی طرح گھلی ہوئی ہیں جیسے پانی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکر گھل جاتی ہے، جو ایک راسخ العقیدہ مسلم کو ہر ہر جزیئہ کا پابند کئے رہتی ہیں اور وہ ان سے ایک انچ بھی نہیں ٹل سکتا، اس لئے تشکیل نو کے وقت اسلام کی اس خصوصیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا لیکن اسی انتہائی پابندی اور قیدوبند کے ساتھ ہی آزادیٔ ضمیر اور حریت رائے بھی پوری فراخی کے ساتھ اسلام نے قوم کو بخشی ہے کہ ایک عامی سے عامی آدمی بھی اس قانون حق کے معیار سے مسلمانوں کے بڑے سے بڑے سربراہ پر روک ٹوک عائد کرسکتا ہے اور اسے عوام کی تنقید کو ماننے سے چارۂ کار نہیں ہوتا۔ اس کے لئے سب سے بڑی نظیر نماز کی جماعت ہے جس کا نام امامت صغریٰ ہے جو کلیتہً امامت کبریٰ یعنی امارت وخلافت پر منطبق ہے، وہاں اگر امام اور امیر ہے تو یہاں بھی امام ہے، وہاں اگر جہاد میں ہر نقل وحمل پر نعرہ تکبیر ہے تو یہاں بھی ہے۔ وہاں اگر امام کے حق میں سمع وطاعتہ فرض ہے تو یہاں بھی ہے، وہاں اگر مجاہدین کی صفیں مرتب اور سیدھی ہونی ضروری ہیں تو یہاں بھی یہی ہے، وہاں اگر میمنہ اور میسرہ ہے تو یہاں بھی ہے، وہاں اگر صفوف میں شگاف آیا تو ناکامی کی ملامت ہے تو یہاں بھی ہے وغیرہ وغیرہ، اس لئے اس امام صغریٰ (جماعتہ صلوۃ) کے جو طور وطریق رکھے گئے ہیں وہی نوعی طور پر امامتہ کبریٰ اور اسٹیٹ میں بھی ہیں، اس میں صورت حال کے تحت دیکھا جائے تو نماز کے مقتدیوں کو امام کا پابند بھی انتہائی طور پر کیا گیا ہے کہ مقتدی اس سے ذرا بھی منحرف ہو تو اس کی نماز ہی صحیح نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس مسجد کی امارت اور اسٹیٹ میں مقتدیوں پر فرض ہے کہ جب امام نیت باندھے تو مقتدی بھی ساتھ ساتھ نیت کرکے ہاتھ باندھیں، وہ قیام میں ہو تو یہ بھی قیام کریں، وہ رکوع کرے تو یہ بھی رکوع کریں، وہ قومہ میں جائے تو یہ بھی قیام کریں، سجدے میں جائے تو یہ بھی سربسجود ہو جائیں، وہ ولاالضالین کہے تو یہ آمین کہیں، حتیٰ کہ امام سے اگر سہواً کوئی جزوی غلطی سرزد ہو جائے اور وہ سجدۂ سہو کرے تو مقتدی بھی اس کی اس فکری خطا میں ساتھ دیں اور سجدۂ سہو کریں، لیکن حریت وآزادی یہ ہے کہ اگر امام قرات یا افعال صلوۃ میں کوئی ادنیٰ سی بھی غلطی کر جائے تو ہر مقتدی کو نہ صرف ٹوک دینے کا حق ہے بلکہ مقتدی اس وقت تک امام کو چلنے نہیں دے سکتے جب تک کہ وہ اپنی غلطی کی اصلاح نہ کرلے یا کسی رکن میں غلطی ہو جائے تو اسے درست نہ کرلے، چنانچہ امام کی غلطی پر ہر ایک مقتدی پیچھے سے تکبیر وتسبیح کی آوازوں سے اس طرح متنبہ کرتا ہے اور کرنے کا حق رکھتا ہے کہ امام غلطی کی اصلاح پر مجبور ہو جائے، بعینہٖ یہی صورت امامتہ کبریٰ یعنی اسٹیٹ اور ریاست کی ہے کہ امیرالمومنین کی سمع وطاعتہ تو ہر ہر معاملے میں واجب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ورنہ تعزیز و سزا کا مستحق ہوگا، لیکن ساتھ ہی خود امیر کی خطا و لغزش پر ایک عامی آدمی بھی برملا روک ٹوک کرنے کا حق رکھتا ہے، جب تک کہ امیر اس فعل کی اصلاح نہ کرلے یا اس کا کوئی صحیح عذر سامنے نہ رکھے۔

فاروق اعظمؓ پر ایک اعرابی نے اس وقت اعتراض کیا جب کہ وہ امیرالمومنین ممبر پر کھڑے ہوکر خطبے میں اعلان فرمارہے تھے کہ لوگو! امیر کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ اعرابی نے کہا کہ نہ ہم بات سنیں گے نہ اطاعت کریں گے، فرمایا کیوں؟ کہا کہ مال غنیمت میں آپ کا حصہ عام لوگوں کی طرح صرف ایک چادر تھی، حالانکہ آپ کے بدن پر اس وقت دو چادریں پڑی ہوئی ہیں، فرمایا کہ اس کا جواب میرا بیٹا (عبداللہ ابن عمرؓ) دے گا، صاحبزادے نے فرمایا کہ امیرالمومنین کا قد لانبا تھا ایک چادر کافی نہ تھی اس لئے میں نے اپنی چادر پیش کردی، وہی ان کے بدن پر ہے جو انھوں نے آج استعمال کی ہے، تب اعرابی نے کہا کہ اب ہم بات سنیں گے بھی اور اطاعت بھی کریں گے، منہاج نبوۃ کے مزاج کی رد سے عمل میں تو یہ تقید اور پابندی ہے کہ اس کے کسی کلیہ جزیۂ میں ڈھیلاپن گوارہ نہیں کیا گیا، حتیٰ کہ ایک عامی آدمی کو بھی امیرالمومنین تک پر کسی محسوس قسم کی فروگذاشت کے بارے میں اعتراض کا حق دیا گیا، لیکن حریت رائے اور اصول کے تحت آزادی بھی انتہائی ہے جو حقیقی قسم کی جمہوریت کی پردہ دار ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اصول و قوانین کی یہ پابندی اور ان میں زندگی کو مقید کردینا قید و بند نہیں جو ذہنوں پر شاق ہو، جب کہ انہی اصولوں کی پابندی سے اسلام اور اسلامی قوم عالم گیر بنی، آخر جب ہم اسلام کے حق میں ایک عالم گیر دین ہونے کے مدعی ہیں، تو اس کی ہمہ گیری کے معنی اس کے انہی اصولوں کی ہمہ گیری کے تو ہیں، اگر وہ تنگ اور جامد ہوتے تو اسلام عالم گیر تو کیا عرب گیر بھی نہ ہو سکتا لیکن جب انہی اصول پر صدیوں ہمہ گیر حکومتیں بھی چلیں اور انہی اصول سے تربیت پاکر قوم میں عظیم عظیم شخصیتیں بھی ابھری جنھوں نے مشرق و مغرب کو روشنی دکھائی، اور ظلمتوں کی تنگنائیوں میں پھنسی ہوئی قوموں، نسلوں اور وطنوں کو ان کی مصنوعی حد بندیوں سے نکال کر انسانیت کے وسیع میدانوں میں پہنچایا تو کیا یہ اصول کی تنگیوں سے ممکن نہ تھا۔ اس لئے فطری اصول اور فطرت کی پابندی کو قید و بند اور تنگی سمجھا جانا ذہنوں ہی کی تنگی ہی کی علامت ہو سکتا ہے فطرت کی تنگی نہیں کہلایا جا سکتا۔ بالخصوص جب کہ ان اصول کی وسعتوں میں ایسی گنجائشیں بھی رکھی گئی ہیں کہ ان سے ہر دور کے مفکر اور اہل علم و فضل نے استخراج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسائل کی حد تک کام بھی لیا ہے اور آج بھی لے سکتے ہیں جن میں ہر دور کے حوادث کے لئے ہدایت کا سامان موجود ہے، اس لئے تمدن و معاشرت کے مشخص عملی جزئیات اور سنن زائدہ پر اس قانون فطرت نے زیادہ زور نہیں دیا، بلکہ اسے وقت اور زمانے کے حوالے کر دیا ہے جو ہر زمانے میں نئی نئی صورتیں بدلتی رہتی ہیں انھیں اہل علم ان کے اصول سے وابستہ کر کے ان کے احکام نکال سکتے ہیں جیسا کہ مفکران باب فتویٰ کا اسوہ اس بارے میں سامنے ہے، بالخصوص مسائل کے طرز استدلال کے بارے میں تو خاص طور پر ہر قرن میں جدید رنگ پیدا ہوتے رہے ہیں، ایک دور میں نظری فلسفے کے رنگ جمایا اور دین کے بارے میں محض نقل روایت لوگوں کے لئے تسلی بخش نہ رہی جب تک کہ وہ عقلی چولے میں نہ آئے تو رازی و غزالی جیسے حکمائے ملت نے دین کو فلسفیانہ انداز میں پیش کر کے لوگوں پر حجت تمام کی، ایک دور میں تصوف اور حقائق پسندی کا غلبہ ہوا تو ابن عربی وغیرہ نے صوفیانہ اور عارفانہ انداز سے اسلام کو نمایاں کیا، ایک دور میں معاشی فلسفے کا زور ہوا تو شاہ ولی اللہ جیسے حکیم امت نے نظری و معاشی رنگ کے فلسفیانہ دلائل سے اسلام کو سمجھایا اور وقت کے مسائل کئے، ایک دور سائنسی اور شاہداتی فلسفے کا آیا تو بانی دار العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جیسے محقق اور عارف باللہ نے اسلامی عقائد و اصول کو شاہداتی رنگ میں حسی شواہد و نظائر پیش کر کے اتمام حجت فرما دیا، جس سے ایک طرف اگر اسلام کی ہمہ گیری اور جامعیت واضح ہوئی تو دوسری طرف اس کا توسع کھلا اور اس کے رنگ استدلال کی یہ لچک بھی واضح ہوئی کہ اس کے حقائق پر ہمہ نوع دلائل کا لباس سج جاتا ہے اور حقیقت بہ دستور حقیقت رہتی ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خود اس میں سارے الوان اور سارے نہج موجود ہیں جس سے ہر رنگ کا لباس اس پر زیب زدہ ثابت ہو جاتا ہے جو درحقیقت خود اس کا رنگ ہوتا ہے البتہ حالات اور وقت کے تقاضے صرف اجاگر کر دیتے ہیں، آج کا دور سیاسی اور معاشی اور مختلف نظریات کی سیاستوں اور معاشی فلسفوں کے غلبہ کا ہے مذہب بن رہے ہیں تو سیاسی، اور معاشی پارٹیاں بن رہی ہیں تو سیاسی مسائل پیدا ہو رہے ہیں تو سیاسی اور معاشی، ان حالات میں جب تک کسی دینی مسئلے کو سیاسی چاشنی کے ساتھ پیش نہ کیا تو وہ عوام کے لئے قابل التفات نہیں ہوتا اس لئے ضرورت ہے کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے اسلام کو سیاسی اور معاشی رنگ کے دلائل سے پیش کیا جائے یہ سیاسی رنگ اسلام کے حق میں کوئی بیرونی رنگ ہوگا، بلکہ اس کے اندر کا ہوگا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالات محرک ہوں گے اور ان کے فطری اور طبعی قسم کے معاشی اور سیاسی پیکر اس تحریک سے نمایاں ہو کر اسلام ہی کی سیاست و معیشت کو نمایاں کریں گے، اگر اس میں سیاست اجتماعیت کے اصول و قوانین نہ ہوتے تو صدیوں تک اس کی وہ مثالی حکومتیں دنیا میں نہ چل سکتیں، جنھوں نے دین و دیانت کے غلبے کے ساتھ سیاسی حکمرانی کے فرائض بھی انجام دے، اور آج بھی مسلم حکمرانوں کی بود و نمو اسی دور کی مستحکم فرمان روائیوں کے ثمرات ہیں، جن میں کتاب و سنت اور فقہ فی الدین کے انوار شامل ہیں البتہ آج کے غالب یا مغلوب مسلمانوں کی غلطی یہ ہے کہ انھوں نے موجودہ دور کی حکومتوں کے نظریات تو اختیار کر لئے لیکن ان کے عملی کارناموں سے کوئی سبق نہیں لیا، اگر قوم اپنے نظریات قائم رکھ کر آج کے عملی میدانوں میں دوڑتی تو آج بھی وہ ایسی ہی مثالی قوت و شوکت دکھلا سکتی تھی جو اب سے پہلے دکھلا چکی ہے اور دنیا اسی کی تقلید پر مجبور ہوتی، نہ کہ قصہ برعکس ہو جاتا۔

بہر حال اس دور میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ اسلامی اصول اسلامی مزاج اور نبوت کا منہاج بجنسہ قائم رکھ کر جس میں دیانت و سیاست اور عبادت و مدنیت بیک وقت جمع ہے وقت کے مسائل کو نئی تشکیل و ترتیب سے نمایاں کر کے نئے حوادث میں قوم کی مشکلات کا حل پیش کیا جائے تو یہ وقت کے تقاضوں کی تکمیل ہوگی، جب کہ اس میں فقیہ المزاج ہی شخصیات اسلامی اصول کی روشنی اور جزئیات عملیہ کی رعایت اسلامی مزاج کی برقراری سلف صالحین کا اسوۂ مرادات خداوندی کے ساتھ تقید رضا حق کی پاسداری، اجتماعی صلاح و فلاح، اخروی نجات کا فکر وغیرہ کی حدود قائم رکھی جاویں کی تو بلاشبہ "فکر اسلامی کی تشکیل جدید" اپنے ہی رنگ کے ساتھ منظر عام پر آجائے گی، مگر اس کے ساتھ منتخب شخصیات میں جہاں اس دینی فکر و تفقہ مزاج کی ضرورت ہے جس کی تفصیل عرض کی گئی وہیں اس کی بھی شدید ضرورت ہے کہ وہ موجودہ دنیا کے مزاج اور وقت کو بھی پہنچانتے ہوں، عصری حالات اور وقت کی ضروریات بھی ان کے سامنے ہوں، علوم عصریہ میں بھی انھیں مہارت و حذاقت میسر ہو دنیا کی عام رفتار اور آج کے ذہن وہ سمجھتے ہوئے ہوں اور اس میں ذی فہم اور ذی رائے بھی ہوں، کیونکہ حالات ہی اصل محرک فتاوی ہیں، اگر یہ منتخب شخصیات شرعیات کی نوگر ہوں لیکن عصریات سے بے خبر ہوں یا برعکس معاملہ ہو تو فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

اس سلسلے میں کٹھن مرحلہ ایسی جامع شخصیتوں کی فراہمی کا ہے جو شرعیات اور عصریات میں یکساں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حذاقت ومہارت کے حامل ہوں، عموماً اور اکثر وبیشتر ماہرین شرعیات، عصریات سے کچھ نابلد اور موجودہ دنیا کی ذہنی رفتار اور اس کے گوناگوں نظریات سے بے خبر ہیں اور ماہرین عصریات اکثر وبیشتر شرعیات سے ناآشنا ہیں اس لئے فکر اسلامی کی تشکیل جدید کا بار اگر تنہا ایک طبقے پر ڈال دیا جائے تو علما کی حد تک بلاشبہ مسائل کی تشکیل قابل وثوق ہوگی لیکن ممکن ہے کہ جدید طبقے کے اعتراضات کا ہدف بن جائے گی، اور دوسری طرف ماہرین عصریات جب کہ عامۃً دینی مقاصد اور اسلام کی شرعی موقفوں کا زیادہ علم نہیں رکھتے اور قوم کے دینی مزاج سے کچھ بیگانہ بھی ہیں، اگر اسلامی کی تشکیل جدید کا بار محض ان کے کندھوں پر ڈال دیا جائے تو حوادث کی حد تک وہ ماہرین شریعت کے اعتراضات کا ہدف بن جائے گی بہر دو صورت تشکیل جدید کا خاکہ تمام بلکہ ایک حد تک نقصان دہ ثابت ہوگا، ان حالات میں درمیانی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ اس کی تشکیل کے لئے دونوں طبقوں کے مفکرین کی مشترک مگر مختصر اور جامع کمیٹی بنائی جائے جس میں یہ دونوں طبقے اسلام کے تمام تمدنی معاشرتی اور سیاسی مسائل میں اپنے اپنے علوم کے دائروں میں غور وفکر اور باہمی بحث وتمحیص سے کسی فکر واحد پر پہنچنے کی سعی فرمائیں اور جامع مفکروں کو کتاب وسنت اور فقہ کی روشنی میں مسائل کی تنقیح میں استعمال کریں تو وہ فکر یقیناً جامعیت لئے ہوئے ہوگا جس میں دینی ذوق اور شرعی دستور بھی قائم رہے گا، اور عصری حالات سے باہر بھی نہ ہوگا نیز ایک طبقہ کا ہدف وطعن وملامت نہ بن سکے گا، اور مسائل کے بارے میں کوئی غلجان سد راہ نہ ہوگا۔

البتہ مفکرین کو یہ ضرورت پیش نظر رکھنا ہوگا کہ اسلام کوئی رسمی اور دنیوی قانون نہیں بلکہ دین ہے جس میں دنیا کے ساتھ آخرت بھی لگی ہوئی ہے، اور ہر عمل میں خواہ وہ فکری ہو یا عملی، جہاں انسان کی دنیوی زندگی کی شائستگی کی رعایت رکھی گئی ہے، اور انھیں تنگی اور ضیق وحرج سے بچا کر ہمہ گیر سہولتیں دی گئی ہیں، وہیں رضا خداوندی اور آخرت کی جوابدہی بھی ان پر عائد کی گئی ہے اس لئے اسے محض دنیوی قوانین اور صرف معاشی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر حوادث کا آلہ کار بھی نہیں بننے دیا گیا ہے، کیونکہ احوال ہمیشہ بدلتے رہے ہیں اور بدلتے رہیں گے حال کے معنی ہی ماحال فقد زال کے ہیں (یعنی جو حال آیا وہ زائل بھی ہوگا) پس حال تو بدلنے ہی کے لئے بنایا گیا ہے لیکن اصول فطرہ بدلنے کے لئے نہیں لائے گئے ہیں، وہ اپنی جگہ اٹل ہی رہیں گے، البتہ ان شرعی اصول میں ایسی وسعتیں ضرور رکھی گئی ہیں کہ وہ ہر بدلتی ہوئی حالت میں وقت کے مناسب رہنمائی کرسکیں، اس لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مفکر کا کام صرف اتنا ہی ہوگا کہ بدلتے ہوئے حالات اور نئے حوادث کو سامنے رکھ کر ان جزئیات مسائل کو سامنے لے آئے جو اس حادثے کے بارے میں منہاج نبوت نے اصولاً یا جزاً وضع کئے ہیں اور ان پر منطبق ہیں، پس مفکر، دانشور یا مبصر مفتی کا کام حادثہ اور مسئلہ تبدیل کرنا نہیں بلکہ دونوں میں تطبیق دے دینا ہے، نہ حالات سے صرف نظر کرنا ہے نہ مسائل سے قطع نظر کر لینا ہے اس لئے شریعت نے تمدنی اور معاشرتی احوال کی حد تک زیادہ تر قواعد کلیہ ہی سامنے رکھے ہیں جونئی جزئی صورتوں کی تشخیص نہیں کی ہے، کہ وہ ہر دور میں نئے نئے رنگ میں نمایاں ہوتی رہتی ہیں۔

فی زماننا اسلامی مسائل میں انتشار یا ان کے بارے میں شکوک و شبہات کی بوچھار کا سرچشمہ سب جانتے ہیں کہ مغربی تہذیب و تمدن اور اس سے زیادہ آج کی سیاسی نظریات دماغوں میں مذہب کے رنگ سے چھائے ہوئے ہیں، آج مسلک اور ازم بن رہے ہیں تو سیاسی اور معاشی پارٹیاں بن رہی ہیں تو سیاسی معاشی، اور قوانین تیار ہو رہے ہیں تو سیاسی اور معاشی، حتیٰ کہ عقائد بن رہے ہیں تو سیاسی اور معاشی۔ چنانچہ سیاسی نظریات کے بارے میں اصطلاح بھی وہی ٹھہر گئی ہے جو مذہب اور دین کے بارے میں رائج تھی کہ فلاں نظریئے پر یقین رکھتے ہیں یا بالفاظ دیگر ایمان لاتے ہیں جو کسی دور میں دینی عقائد کے لئے استعمال کی جاتی تھی، اس لئے آج ایک سیاسی "ملل ونحل" کی تدوین کی بھی اشد ضرورت ہے جس میں سیاسی مذاہب کے عقائد و افکار کو تقابلی رنگ سے سامنے رکھ کر اسلام کے اجتماعی مسائل کو دلائل کی روشنی میں پیش کیا جائے جس کے لئے چند مفکر عالم اور چند مفکر گریجویٹوں کی خدمات حاصل کی جائیں کیونکہ قدیم زمانے کے "ملل ونحل" اس کے پیدا شدہ مذہبی عقائد و افکار کے پیش نظر مرتب ہوئے تھے جب کہ عموماً دلوں پر مذہب اور دین کی چھاپ پڑی ہوئی تھی آج جب کہ دلوں پر سیاست کے ٹھپے لگے ہوئے ہیں تو عصر حاضر کے سیاسی عقائد و افکار کو سامنے رکھ کر اسلام کے سیاسی اجتماعی اور معاشرتی مسائل کو دلائل و شواہد سے سامنے لانے کی ضرورت ہے۔ خوشی ہے کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے آج جب فکر اسلامی کی تشکیل نو کا مسئلہ اٹھایا ہے تو ممکن ہے کہ اس سیمینار کے ثمرے کے طور پر اس سیاسی معاشرتی اور اجتماعی رنگ کی "ملل ونحل" کی مضبوط بنیاد بھی پڑ جائے گی، حدیث اور فقہی کتب میں معاشرتی، تمدنی اور اجتماعی مسائل کی جو نوعیں ابواب و فصول کے ساتھ جن جن عنوانات سے پائی جاتی ہیں وہ اپنی جامعیت اور اصولیت کی وجہ سے اپنے متعلقہ مسائل کی جزئیات پر کلیۃً حاوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں اور ان میں فقہائے امت کے دل و دماغ کا نچوڑ سمایا ہوا ہے اس لئے اگر ان عنوانات کے تحت کام کیا جائے اور آج کے معاشرتی، سیاسی اور تمدنی مسائل کا تقابلی انداز سے سامنے رکھ کر علمی اور فکری سعی کا محور بنالیا جائے تو اس میں تمام وقتی مسائل بھی آجائیں گے اور دوسرے مہم مسائل بھی شامل ہو جانے کی وجہ سے ایک بہترین سیاسی "ملل ونحل" تیار ہو جائے گی جو جامعہ کا ایک یادگار کارنامہ ہوگا

اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی توقع رکھنی چاہیئے کہ یہ سعی چند زبان زد مسائل مثلاً بینک کاری، اسٹاک ایکسچینج و سودی معاملات یا انشورنس وغیرہ وغیرہ جیسے مالی اور تجارتی مسائل تک ہی محدود نہ رکھی جائے گی کیونکہ فکر اسلامی کے بارے میں قدم اٹھایا جارہا ہے تو وہ بھرپور اٹھنا چاہیئے جس میں اس قسم کے تمام مسائل کا ایک ہی بار فیصلہ کر دیا جائے۔

امید ہے کہ اس تشکیل کے سامنے آجانے پر یہ شبہہ بھی حل ہو جائے گا کہ آیا اسلام میں جمود ہے یا ذہنوں میں جمود ہے، جسے اسلام کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، حالانکہ اسے توڑنے والا تو اسلام ہے جیسا کہ اس نے تیرہ صدیوں میں کتنے ہی جامد ذہن اقوام کا جمود توڑا ہے، اسلام نے اپنے اصول فطرت میں ماننے کو محدود کر دیا ہے جس کے معنی جمود کے سمجھے جا رہے ہیں لیکن اصول فطرة میں محدود رہنا جمود نہیں بلکہ جمود شکن ہے۔

اسلامی مزاج اور منہاج نبوت کے اساسی اصول

منفی پہلو

(۱) لا اسلام الا بجماعۃ — اسلام بغیر جماعت کے نہیں۔

یعنی اسلام کا مزاج اجتماعیت پسندانہ ہے انفرادیت پسندانہ نہیں۔

(۲) لا رھبانیۃ فی الاسلام — یعنی دین کے بارے میں اسلام کا مزاج اختراع پسندی اور جدت طرازی کا نہیں بلکہ اتباع پسندی کا ہے، نیز گوشہ گیری اور انقطاعیت پسندی کا نہیں بلکہ عام مخلوق میں ملے جلے رہ کر کام انجام دینے کا ہے۔

(۳) لا اکراہ فی الدین — یعنی اسلام کا مزاج دین میں جبر و اکراہ اور تشدد کا نہیں بلکہ نر[illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبت کے ساتھ حجت و برہان سے حق واضح کر دینے کا ہے ماننا نہ ماننا کلیتہً مخاطب کا اختیاری فعل ہے۔

(۴) لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام — یعنی اسلام کا مزاج تخریبی یا ضرر رسانی کا نہیں بلکہ تعمیری اور نفع رسانی کا ہے۔

(۵) لا عدوی ولا طیرۃ فی الاسلام — یعنی اسلام کا مزاج توہم پسندانہ نہیں کہ شگون یا ٹونے ٹوٹکے یا کسی کی بیماری کسی کو لگ جانے کا تخیل باندھ لینا اس کے یہاں معتبر ہوں بلکہ حقیقت پسندانہ ہیں کہ امور واقعیہ ہی اس کے نزدیک معتبر ہوتے ہیں، خواہ وہ حسی اسباب سے ظہور پزیر ہوں یا معنوی اسباب سے تخیلاتی اور توہماتی خطرات دوسا رس اس کے نزدیک اسباب نہیں ہیں کہ حوادث سے ان کا تعلق ہو۔

(۶) لا نولی امرنا ھذا من طلبہ۔ — یعنی اسلام کا مزاج طالب عہدے کو عہدہ نہ دینے کا ہے گویا عہدوں کی طلب خود غرضی کی دلیل ہوتی ہے، اور خود غرضی انسان اپنی اغراض کی تکمیل میں مشغول رہ کر فرائض منصبی میں عادتاً قاصر رہتا ہے۔

(۷) لا تکلف نفس الا وسعھا۔ — یعنی اسلام کا مزاج کسی پر اس کی طاقت کے قدر بار ڈالنے کا ہے خواہ انسان ہو یا حیوان زائد از طاقت بار رکھنا اس کے نزدیک ظلم ہے

(۸) لیس منا من غشنا۔ — یعنی اسلام کا مزاج گندم نمائی جو فروشی اور نمائشی خوبصورتیاں دکھلا کر دغل فصل کا نہیں بلکہ حقیقت پسندی اور حقیقت نمائی کا ہے،

(۹) وما انا من المتکلفین — یعنی اسلام کا مزاج تصنع، بناوٹ یا نمایش پسندی کا نہیں بلکہ سادگی، سچائی اور ظاہر و باطن کی یکسانی کا ہے۔

(۱۰) لا نفرق بین احد من رسلہ — یعنی اسلام کا مزاج شخصیات مقدسہ کے نام پر تعصب، تنگی، حد بندی اور گروہ سازی کا نہیں بلکہ ان کی ہمہ گیر توقیر و تعظیم کے ساتھ بین الاقوامی طور پر اقوام کو ایک پلیٹ فارم پر لانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۱) لا تھنوا ولا — اور عالم انسانیت کو متحد کرنے کا ہے۔

(۱۱) لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ — یعنی اسلام کا مزاج دل چھوڑ کر بیٹھ رہنے اور بزدلی اور کم ہمتی دکھلانے کا نہیں بلکہ عزیمت اور قوۃ یقین کے ساتھ عالی حوصلگی اور ہمت مردانہ دکھلانے کا ہے۔

(۱۲) لا تیئسوا من روح اللہ۔ — یعنی اسلام کا مزاج کتنی بھی مشکلات کا ہجوم سر پر آجائے مایوسی کا نہیں بلکہ امید، بھروسہ اور اللہ پر اعتماد کے ساتھ ثبات واستقلال اور آگے بڑھتے رہنے کا ہے، مایوسی اس کے نزدیک کفر کا شعبہ ہے

(۱۳) ماجعل علیکم فی الدین من حرج۔ — اسلام کا مزاج دین کے بارے میں ضیق اور تنگی کا نہیں بلکہ فراخی کا ہے معذور کو مجبور نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے مناسب حال راہ نکال دی جاتی ہے۔

(۱۴) لن یشاد الدین الا غلبہ — یعنی اسلام کا مزاج دین میں غلو مبالغہ اور تحمل بے جا کا نہیں ورنہ دین اسے ہٹا دے گا بلکہ اعتدال کے ساتھ بقدر طاقت بوجھ اٹھانے کا ہے توسط واقتصاد بھی اس کا بنیادی اصول ہے۔

(۱۵) ولا یجرمنکم شنأن قوم علی ان لا تعدلوا، اعدلوا ھواقرب للتقوی۔ — یعنی اسلام کا مزاج دوست اور دشمن میں یکساں انصاف ہے جانبداری یا بے جا رعایت یا خویش نوازی اس کے یہاں خلاف عدل اور خلاف تقویٰ ہے۔

(۱۶) لیس للانسان الا ماسعی — یعنی اسلام کا مزاج عمل پر ابھارنا ہے کہ ہر ایک کو اس کی سعی کام دے گی، دوسرے کی محنت کام نہ آئے گی تاکہ آدمی دوسروں پر تکیہ کر کے معطل نہ ہو بیٹھے، ہمت سے خود آگے بڑھے۔

مثبت پہلو۔

یہی صورت اسلام کی اساسی اصول میں مثبت ضابطوں کی بھی ہے جس سے اسلام کا مزاج کھلتا ہے مثلاً۔

(۱) لیھلک من ھلک عن — یعنی اسلام کا مزاج حجت پسندی حجۃ طلبی اور تحقیق حال کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بینۃ ویحیی من حق عن بینۃ

ہے جذبات پسندی یا محض شبہات یا قرائن بے تحقیق کسی کو انعام یا انتقام دینے کا نہیں۔

(۲) والصلح خیر واحضرت الانفس الشح۔

یعنی اسلام کا مزاج صلح جوئی اور امن پسندی کا ہے لڑائی، جھگڑے، شر انگیزی اور فتنہ جوئی کا نہیں نیز اس کا مزاج احسان اور جود و کرم کا ہے بخل تنگی اور جزرسی کا نہیں۔

(۳) واصبر علی ما اصابک ان ذلک من عزم الامور۔

یعنی اسلام کا مزاج انتقام پسندانہ نہیں بلکہ کریمانہ اور مصائب یا ایذا رسانیوں پر صبر و تحمل اور عفو درگذر کا ہے۔ اس کو اس نے اولوالعزمی کہا ہے۔

(۴) انما المومنون اخوۃ۔

یعنی اسلام کا مزاج باہمی بھائی بندی اور ملنساری کا ہے اجنبیت پسندی اور بیگانہ روش کا نہیں۔

(۵) ان الناس کلھم اخوۃ۔

یعنی اسلام کا مزاج عالمی بھائی چارے کا ہے کہ تمام انسان بھائی کی طرح رہیں خواہ کوئی بھی قوم ہو اور کسی بھی مذہب کی ماننے والی ہو، غلام سازی یا استحصال عوام اور گروہ سازیوں کے ذریعے بھائی کو بھائی سے جدا کر دینے کا نہیں۔

(۶) من قتل نفسا بغیر نفس فکانما قتل الناس جمیعا۔

یعنی اسلام کا مزاج پورے عالم انسانیت کے احترام و تحفظ کا ہے انسانیت کی تحقیر و تذلیل اور لاپرواہی سے اس کے ضائع ہو جانے پر قناعت کر لینے کا نہیں۔

(۷) ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا اولئک ھم الکفرون حقا۔

یعنی اسلام کا مزاج خلط والتباس یا حق و باطل کو مخلوط کر دینے یا اقوام کی رضا جوئی کی خاطر حق و باطل کو جمع کر کے بین بین راہیں نکالنے کا نہیں بلکہ حق و باطل کو نکھار کر متمیز کر دینے کا ہے۔

(۸) ادخلوا فی السلم کافۃ۔

اسلام کا مزاج دائرۂ حق (اسلام) میں پورے پورے داخل کرلنے اور یک رخی کے ساتھ دلوں کو سکون و اطمینان بخشنے کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ناتمام اور ادھ کچرے کام سے دلوں کو ڈانواڈول کردینے کا نہیں۔

(۹) ان تؤدوا الامانات الی اھلھا

یعنی اسلام کا مزاج امانت داری اور امانت سپاری ہے بددیانتی خیانت پسندی یا دخل فصل کا نہیں۔

(۱۰) ویقولون سمعنا واطعنا

اسلام کا مزاج اجتماعی امور میں استواری نظام اور قیام امارت پر امیر کے حق میں سمع وطاعت کا ہے اگر ایک حبشی غلام ہی امیر بنا دیا جائے لامرکزیت یا فوضویت اور بے مرکز جمہوریت اسلام کا مزاج نہیں کہ یہ انتشار پسندی ہے۔

(۱۱) کل امرئ بما کسب رھین

اسلام کا مزاج ہر ایک کو اپنے ہی عمل پر ابھارنا ہے تاکہ وہ دوسروں پر تکیہ کرکے نہ بیٹھ جائے۔

(۱۲) من یعمل سوءً یجز بہ

اسلام کا مزاج یہ ہے کہ کوئی اپنی نسبت یا نسب یا انتساب پر بھروسہ کرکے نہ بیٹھ جائے جس نے جو کچھ کیا ہے وہ ضرور اس کے آگے آئے گا۔

(۱۳) ثلثة لعنهم الله (ومنهم) مبتغ فی الاسلام سنة جاهلية

یعنی اسلام کا مزاج یہ ہے کہ جاہلیت کی جن رسوم کو اس نے مٹا دیا ہے ان کا اعادہ یا نئی نئی پگڈنڈیاں نکالنا اس کے لئے قابل برداشت نہیں کہ یہ خود اسلام کی تخریب ہے۔

(۱۴) ما اتاكم الرسول فخذوه و مانهاكم عنه فانتهوا۔

اسلام کا مزاج رسالت کی پیروی کرانا ہے قانون حق میں ایجاد و اختراع کرانا نہیں۔

(۱۵) الدنیا مزرعة الآخرة (اور) ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرة۔

اسلام کا مزاج ہر عمل کو خواہ وہ عبادۃ ہو یا عادۃ اخروی بنانا ہے دُنیا پر ختم کردینا نہیں ہے نہ دنیوی مفادات کو اصل رکھنا ہے مگر دُنیا ترک کرانا بھی نہیں بلکہ اسے اختیار کرکے اس میں سے آخرت نکلوانا ہے، اس لئے دنیا کو کھیتی کہا ہے، پس پھل اگر ضروری ہے تو کھیتی کرنا بھی ضروری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ورنہ پھل نہیں مل سکتا، پس اسلام کے مزاج میں ترک دنیا
نہیں بلکہ ترک محبت دنیا ہے، اس لئے کہ یہ ساری دنیا
انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے تو وہ معطل نہیں چھوڑی جاسکتی اور
انسان آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اسے محض دنیا پر نہیں
چھوڑا جا سکتا۔

بہر حال کتاب وسنت کے یہ چند اساسی اصول جیسے اجتماعی، انفرادی، شخصی، جماعتی، مرکزیت امارت، سمع وطاعت، تفویض، عہدہ جات کی نوعیت عوام کا طرز تربیت اخلاقی بلندی عملی جوش معاشرت کا ڈھنگ دین کی وسعت خلط والتباس سے اس کا بالاتر ہونا، بدعات ومحدثات سے گریز، اتباع رسالت، اخوت، ہمدردی، بے لوث عدل وانصاف، خدمت خلق، دنیا کا آخرت سے ربط، اور آخرت کی مقصودیت وغیرہ امور ہیں، جن سے منہاج نبوت کا ذوق اور اسلامی مزاج کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جو سرسری طور پر ذہن میں آئیں ورنہ کتاب وسنت ان جیسے سینکڑوں اصول سے بھری ہوئی ہیں، ہمیں اپنی تشکیل نو میں ان سب کو بہر حال سامنے رکھنا ہے۔ لیکن ان اقدامات میں سب سے زیادہ اہم اقدام یا چوتھا قدم رجال کار کا انتخاب ہے جو دین میں مبصر اور فقیہانہ شان رکھتے ہوں بحیثیت مجموعی دین کے اصول وفروع ان کے سامنے ہوں اسلام کی حقیقی روح ان کی رگوں میں پیوست ہو اور اسلام کی وہ حکمت عملی ان کے پیش نظر ہو جس کے لئے اللہ کی طرف سے اس دین کی تشکیل عمل میں آئی ہے اگر رجال کار ناواقف یا غیر فقیہ یا غیر مبصر اور اسلام کی حکمت عملی سے نابلد یا روح اسلام سے بیگانہ ہوں تو فکر اسلامی کی تشکیل ممکن نہ ہوگی اس لئے سب سے بڑا مسئلہ شخصیات کے انتخاب کا ہے، حق تعالیٰ نے بھی جب اس دین کو دنیا میں بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو اولاً شخصیت ہی کا انتخاب فرمایا اور وہ ذات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس سے واضح ہے کہ دینی ہدایت کے لئے شخصیتوں کا انتخاب اہم اور اقدام ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دین محض تعلیم وتکفیر کے لئے نہیں بلکہ تربیت کے لئے آتا ہے اور تربیت محض کاغذ یا کتاب کو نوشتوں سے نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس سے ہم آہنگ شخصیتیں اسے قلوب تک پہنچانے والی اور اپنے عمل سے نمایاں کرنے والی سامنے نہ ہوں، اس لئے دنیا کا کوئی بھی دور ایسا نہیں گزرا کہ امتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صلاح و فلاح کے لئے محض قانون اتار دیا گیا ہو اور پیغمبر کی شخصیت نہ بھیجی گئی ہو کیونکہ شخصیت ہی دین اور مسائل دین کو اس انداز اور اسی حکمت علمی سے پیش کر سکتی ہے جو شارع حقیقی حق تعالیٰ شانہ نے اس کے لئے وضع کیا ہے۔ اس لئے وہی شخصیت مخاطب قوم کی نفسیات کی رعایت رکھتی ہے اور اس کے اجتماعی مزاج سے آگاہ ہوتی ہے جو ہدایت کے لئے منتخب کی جاتی ہے کیونکہ ہر دور میں اس رنگ کی شریعت آئی جو رنگ مخاطب قوم کا تھا اور اس نوع کے معجزات سے نبوت کو ثابت کیا گیا۔ جو نوعیت اس دور کے ذہن و مزاج کی ہوئی۔

آج جبکہ نبوت ختم ہو چکی ہے تو انبیاء کا کام اس اُمت کے مجددوں اور مفکر علما و عرفا کے سپرد کیا گیا کہ وہ شریعت کو اسی رنگ سے ثابت کر کے دلوں میں جمائیں جو آج کے دور کی نفسیات کا رنگ ہو۔

اس حقیقت کو امام ابن سیرین نے جو ایک جلیل القدر تابعی اور تعبیر خواب کے امام ہیں، ان لفظوں میں ادا فرمایا ہے کہ

ان هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم (مشکوٰۃ)

یہ علم (اور آج کی اصطلاح میں یہ فکر) ہی تمہارا دین ہے تو یہ دیکھ لو کہ کس (شخصیت) سے تم دین (یا فکر) اخذ کر رہے ہو۔

جن سے دین اور دین کے فکر کے بارے میں ہمیں پوری رہنمائی ملتی ہے کہ تربیت کا سب سے بڑا ماخذ شخصیت ہے کاغذ اور نوشتے نہیں ہیں یہ ایک حقیقت ہے کہ مربی اور معلم یا مصلح فکر اگر خود صحیح المنہاج ہوگا تو وہی قلوب کی صحیح رہنمائی کر سکے گا ورنہ وہ خود اگر اس منہاج کا فکر لئے ہوئے نہ ہو یا قلب کا کوئی زیغ اور کجی لئے ہوئے ہو تو کتاب و سنت سے بھی وہ اسی زیغ ہی کو سامنے لاکر دوسرے قلوب میں بھر دے گا۔

آخر مسلمانوں میں آج کتنے متضاد فرقے ہیں جو قرآن کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں اور اسی کا نام لے کر اپنا اپنا فکر دنیا کے سامنے رکھتے ہیں درآنحالیکہ ان متضاد فرقوں میں کوئی ایک ہی حق و صواب پر ہو سکتا ہے سب کے سب اس تضاد فکر ہی کے ساتھ محقق نہیں کہلائے جا سکتے، ظاہر ہے کہ کتاب و سنت سامنے ہونے اور اسے امام کہنے کے باوجود اگر کوئی فرقہ مبطل ہو سکتا ہے تو اس کی واضح دلیل ہے کہ اس راستے میں فکر صحیحہ اور مفکر کی ذات ہی اصل ہے اور کسی فرقے کے مبطل ہونے کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ اس کے ہاتھ میں کتاب و سنت یا دینی لٹریچر نہیں بلکہ یہ ہوں گے کہ اس میں کوئی صحیح الفکر اور ذوقِ سلف پر تربیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یافتہ شخصیت نہیں، بلکہ کوئی مبطل اور زیغ زدہ شخصیت آئی ہوئی ہے پس اگر شخصیت صحیح ہو تو باطل نوشتوں سے بھی وہ حق ہی کو سامنے لے آئے گی اور وہی فاسد الفکر ہو تو قرآن و حدیث سے وہ باطل ہی نمایاں کر کے قلوب کو فاسد کر دے گی ورنہ قرآن کو امام کہنے والا کوئی مبطل فرقہ مبطل نہ ہوتا۔ اس لئے جب کہ ہم فکر اسلامی کی تشکیل کے لئے قدم اٹھا رہے ہیں تو سب سے مقدم صحیح الفکر شخصیات ہی کا ہے جس سے منہاج نبوت کا صحیح اور متوارث ذوق ہمارے سامنے آجائے اور اس سیدھے منہاج پر ہمارا فکر استقامت کے ساتھ رواں دواں ہو۔

بہر حال فکر اسلامی کی تشکیل تو قابل تبریک ہے جس کا سہرا جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سر ہوگا۔ لیکن اس میں سب سے پہلا قدم نشانہ فکر تعین کرنا ہے اور وہ منہاج نبوت ہے، دوسرا قدم اس منہاج میں فکر دوڑانے کے لئے اس کے اصول و قواعد درکار ہوں گے جس میں قواعد کلیتہ اور فروعات فقہیہ سب داخل ہیں، تیسرا قدم اس منہاج کا پہچاننا ہے اور اسے سامنے رکھنا ہے جو ملت اسلامیہ کو بخشا گیا ہے اور اس پر اس کی صدیوں سے تربیت ہوتی آرہی ہے، چوتھا قدم رجال فکر کا انتخاب ہے کہ فکر کا ظہور صاحب فکر ہی سے ہو سکتا ہے نہ کہ محض کاغذ کے نوشتوں سے اور پانچواں قدم ان ظاہری اور باطنی خصوصیات کی رعایت ہے جو اس منہاج کا جوہر اور اس کی خصوصیات ہیں۔

مجھے اس کا اعتراف ہے کہ اجلاس جامعہ میں تو قلت وقت کی وجہ سے قرآنی اصول کی اجمالی فہرست ہی پیش کر سکا تھا۔ جو یقیناً تشنہ تفصیل تھی اور اب مقالے کی صورت میں اس کی کچھ توضیحات بھی اگر پیش کر رہا ہوں تو قلت فرصت کی وجہ سے وہ بھی کچھ تفصیلی اور مرتب شدہ نہیں ہیں بلکہ کثرت مشاغل کے سبب بھاگ دوڑ کے ساتھ جو بھی منتشر چیزیں سامنے آتی رہیں انھیں کو عجلت کے ساتھ جمع کر دیا گیا جس میں نہ کسی خاص ترتیب ہی کی رعایت ہو سکتی ہے، نہ نظام کلام کی۔ اس لئے اسے جهد المقل وهو عه کا مصداق سمجھنا چاہیئے جو ادائے فرض تو ہے مگر لوازم فرض سے آراستہ نہیں ہے دعا ہے کہ حق تعالیٰ اس مہم کو انجام احسن تک پہنچائے اور ملت اسلامیہ کے لئے ایک نافع قدم ثابت فرمائے۔ آمین۔

© rasailojaraid.com